سوال

(363) پارلیمنٹ کی رکنیت اور کوئی سرکاری عہدہ قبول کرنا

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

(1) پارلیمنٹ کی رکنیت اور موجودہ جمہوری نظام کے ماتحت کوئی سرکاری عہدہ قبول کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(2) رکنیت پارلیمنٹ اور عام سرکاری عہدے جب دونوں ایک ہی نظام کے ماتحت ہوں توان میں فرق کرنا اور پہلے کفر اور دوسرے کو جائز تصور کرنا کیسا ہے؟

(3) مروجہ سیاسی نظام کے تحت اگر انتخابات کرائے جائیں تو کیا ووٹ ڈالا جاسکتا ہے؟

(4) جوحضرات انتخابات میں حصہ لینے اور ووٹ ڈالنے کو کفر گردانتے ہیں ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

(5) موجودہ صورت حال میں بعض احباب۔ اخف الضررین یا اہون البلیتین' کو قبول کرنے کا کوئی تصور شرعاً موجود ہے؟ خاص طور پر ایسے حالات میں جب اس کے سوا کوچارہ ہی نہ ہو اور اسے وقتی طور پر چند شرعی مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے قبول کرلیا جائے؟

(6) یہ بھی بتلایئے کہ اگر الشیخ عبدالرحمن عبدالخالق کی اسی موضوع پر کتاب کا اردو ترجمہ (جو تیار کرلیا گیا ہے) چھپوا دیا جائے تو کیا مفید ہوگا

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

(1) جن ممالک کے دساتیر میں شریعت کی بالادستی کا دعویٰ موجود ہو وہاں پارلیمنٹ کی رکنیت اور مروجہ نظام کے ماتحت سرکاری عہدہ اس غرض سے قبول کرلینے میں کوئی حرج نہیں کہ خیر کی طرف کوئی قدم بڑھایا جاسکے تاہم یہ واضح رہے کہ اس صورت میں اول اپنی شخصیت کا ناقدانہ جائزہ اور محاسبہ پیش نظر رہے کیونکہ مصلحت کا تقاضا بڑی اہمیت رکھتا ہے بعض لوگ اثر انداز ہونے کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں جبکہ بعض دوسرے اثر پذیر ہونے کی بہر صورت مقصد امر بالمعروف ونھی عن المنکر رہے۔

ٹھیک ورنہ اقتدار کا مطالبہ (فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق) (صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من سال الامارة وکل الیہ (7147) و(7146)

اللہ تعالیٰ کی مدد سے محرومی کا باعث ہونے کی وجہ سے بے برکتی پر منتج ہوتا ہے۔

دوسری بات مروجہ نظاموں کے اعتبار سے یہ ہے کہ ان تمام وضعی نظاموں کی اساس حصول اقتدار ہے اوران نظاموں کے تانے بانے اسی جال کےلیے بنےگئے ہیں اس لیے جب تک خیر کے رستے کھلے پائے کار اصلاح میں شریک رہے ورنہ خود فتنہ سے بچانے کی راہ اختیار کرے۔

(2) پارلیمنٹ کی رکنیت اوردیگر سرکاری عہدوں میں بنیادی طورپر کوئی فرق نہیں پارلمنٹ کا زیادہ تر تعلق تشکیل حکومت سے ہوتا ہے توسرکاری عہدوں کا حکومت کے ساتھ تعاون سے بعض اعتبار سے پارلیمنٹ کی رکنیت زیادہ اہمیت رکھتی ہے تودوسرے اعتبارات سے کوئی سرکاری عہدہ بہر صورت اس کا تعلق اشخاص کی صلاحیت اور مواقع کی مناسبت سے ہے اوراس کا فیصلہ اسی چیز کے مدنظر ہونا چاہیے کافرانہ یاظالمانہ نظام میں شرکت یا تعاون دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے اصل مقصد خیر اوراس کے حصول کے مواقع کی اہمیت ہے اسلام میں وسائل مقاصد کےتابع ہوتے ہیں اس سلسلہ میں شرعی مقصد کےلیے حیلے کا جواز اور غیر شرعی مقصد کےلیے حیلوں کی مذمت میں "اعلام الموقعین" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(3) مصالح دینیہ کی بناء پراسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی میں قریب ترین پارٹی یااشخاص کوووٹ ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں لیکن اس شعور کے ساتھ کہ ووٹ اور بیعت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں جیساکہ ہم تمہیدی نکات میں یہ واضح کرچکے ہیں کہ لادینی نظاموں کی بعض جزئیات کواسلامی شعارات کے مماثل قرار دیناکج سیاست سے نابلد ہیں تاہم ہماری گزارشات کے مطابق ووٹ ڈالنا ہویا امیداواری کا مسئلہ اس کا اصل تعلق اسلام کےلیے جدوجہد کرنے سے ہے لیکن یہ بھی واضح رہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ لادینی نظاموں کے ذریعے نفاد شریعت کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے بلکہ ایسے اداروں میں شامل ہوکر زیادہ سے زیادہ برائی کے خلاف دفاع کیا جاسکتا ہے یاخیر کے کچھ راستےتلاش کئے یاکھولے جاسکتے ہیں۔

البتہ انتخاب کے سلسلے میں ایک بات کا تعلق زیادہ تر تجربہ سے ہے جوگزشتہ تقریباًپچاس سال سے ہم پاکستان میں دیکھتےچلے آرہے ہیں کہ جمہوری انتخاب میں ووٹ سے آگے بڑھ کر امیدواری اور کامیابی کےلیے دیگر سیاسی جماعتوں سے مقابلہ اورگٹھ جوڑ کےلیے مروجہ سیاسی ہتھکنڈوں کے حوالے سے جو شخص سیاسی فریب اورجھوٹ کواختیار نہ کرے اس کا اقتدار میں آنا مشکل ہوتا ہے اتفاقات کی بات چھوڑیئے عام حالات میں اگروہ مکار منافقانہ ہتھکنڈے اس یکساولی سیاست میں استعمال نہ ہوں تو یاناکامی مقدر بنتی ہے یا پھر کامیاب ہونے والا "شوپس" بن کررہ جاتا ہے ایسے حالات میں مقصد خیر کےلیے ناجائز ذرائع استعمال کرنے کا مسئلہ سامنے آتا ہے اگراس کا دروازہ چوپٹ کھول دیا جائے توپھر تقویٰ ودین کا اللہ ہی حافظ ہے!

لہذاہمارے نزدیک اس میدان میں اترنے کی مشروط اجازت دفاع دین کےلیے اسی قدر ہے جتنی جہاد وقتال میں دشمن کے خلاف مکروفریب کی ہوسکتی ہے اس لیے ہم انتخابات میں شرکت کی گنجائش نفاذ شریعت کا مؤثر ذریعہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ شر میں کمی کی غرض سے دینی دفاع کے ایک حربہ کے طورپر ہی پاتے ہیں۔ کیونکہ جمہوری انتخابات میں بالفرض کامیاب ہوکر زیادہ سے زیادہ چہرے بدلے جاسکتے ہیں نظام میں تبدیلی مشکل ہوتی ہے پھریکساولی سیاست توایک کاروبار ہے اس میں جولوگ آتے ہیں وہ زیادہ تر نودولتیے جاگیر دار اورایسے صنعت کار ہوتے ہیں جن کے پاس سیاست بازی کےلیے اوقات فارغ ہوتے ہیں وہ اقتدار کےلیے غلط طریقوں سے حاصل کردہ دولت کا بے دریغ استعمال کرکے کرسیء اقتدار پر اجمان ہوتے ہیں پھر اقتدار کا حصہ بنتے ہیں وہ جوع الکلب (کتے سے منسوب حرص کی بیماری) کی صورت میں لوٹ مار میں بنتلا ہوجاتے ہیں بلکہ یہ سیاست توایک کاروبار ہے دوسرے پیشوں کی طرح اس کےلیے خاندان مخصوص ہوتے ہیں ایک ہی خاندان کے افراد مختلف جماعتوں سے وابستہ ہوجاتے ہیں کہ اگر مخصوص جماعت اقتدار میں آئی توفلاں فرد کے ذریعہ سیاسی فائدہ اٹھائیں گے اوراگر دوسری جماعت کامیاب ہوگئی تودوسرا فرد خاندانی مفادات کےلیے کام آئے گا یہ کھیل اتنا گھناؤنا ہے کہ اس کی کوئی سنجیدہ قوم متحمل نہیں ہوسکتی۔ یہاں اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے ایسے حالات میں بہت کم اللہ کے بندے نیت رہ کر اپنی سیرت وکردار کا تحفظ کرسکتے ہیں لیکن ایسے معاشرے اورنظام کے زیر نگیں رہ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینا بھی کوئی نجات کی راہ نہیں ہے کیونکہ اقتدار کے سرچشموں پر صرف گندے لوگ ہی قابض ہوکر نیکی کی راہیں زیادہ سے زیادہ مسدود کرتےچلے جائیں گے اورسارا معاشرہ انہی کے رحم وکرم پر رہ جائے گا۔

ہمارے نزدیک اگر شخص ہجرت کے مواقع نہ پائے اوردعوت دین یا دفاع دین کی مساعی میں شریک ومعان بھی نہ ہو تو یہ بھی بے کاری کی ایک شکل ہے بہر صورت مسلمان کو تادم حیات معاشرے کا عضو معطل بن کررہنے کے بجائے کسی نہ کسی حدتک اصلاح میں اپنا حصہ ضرور ڈالنا چاہیے خواہ جتنا حضرت ابراہیم کی چتا پر پرندوں نے چونچوں سے پانی کے

قطرے گرا کر لیا تھا۔ (اسی چتا پر گرگٹ یا چھپکلی کے پھونک مارنے کی ہی سرشت ہی کی بناء پر اس کا قتل باعث ٹھہرا۔)

(4) جمہوری انتخابات میں حصہ لینے کی بناء پر کفر کا فتویٰ لگانا مناسب نہیں کیوں کہ کسی نظام کے کلی یا جزوی طور پر کافرانہ یا لادین ہونے کی بناء پر کفر طرز عمل صرف ہجرت کا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اصل کام جدوجہد ہے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال جدوجہد کی ہے ہجرت کی اجازت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی مجبوری کی حالت میں ملی پھر ہجرت کوئی فرار نہیں بلکہ اصلاح کا ایک متبادل طریقہ کار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ مکہ مکرمہ فتح کیا ہے۔

(5) اخف الضررین (اھونا البلیتین) کے فقہی قواعد کا استعمال عموماً ان کی حیثیت جانے بغیر عام لوگ کرتے ہیں حالانکہ اصول فقہ اور فقہی قواعد کی اصطلاح میں بڑا فرق ہے اصول فقہ کتا و سنت سے مسائل کے استنباط کے لیے اجتہادی اصول ہیں تو قواعد فقہیہ استنباط مسائل کے وقت اجتہادی رویوں کو متوازن رکھنے کے کام آتے ہیں۔

"اھون البلیتین" کوئی اصول فقہ (اجتہاد) میں سے نہیں بلکہ ایک فقہی قاعدہ ہے بہر صورت اس قاعدہ کی رو سے مصالح اور مفاسد کا باہمی تقابل کر کے مصلحت کو ترجیح دینا اور مفسدہ سے بچنا درست ہے جب دین دار یا اسلام پسندوں کا مقابلہ دین بیزار یا سیکولر لوگوں سے ہو تو اس وقت ووٹ نہ دینا صرف ووٹ کا ضیاع نہیں ہوتا بلکہ بالواسطہ بے دین لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے کیوں کہ مروجہ جمہوری انتخابات میں اصل معیار ووٹوں کی حقیقی کثرت نہیں بلکہ مقابلہ میں ووٹوں کی اکثریت ہے لہذا نسبتاً بھلے آدمیوں کو ووٹ نہ دینا اسے مقابلہ میں کم تر بنانے کا باعث ہوتا ہے نتیجتاً برے لوگ اقتدار کے چشموں پر فائز ہو کر خیر کے راستے بالکل بند کر دیتے ہیں یہ پہلو اگر نظر میں رہے تو مسئلہ واضح ہو جاتا ہے قرآن مجید کی "سورہ روم" کی ابتداء میں روم (اہل کتاب عیسائی) اور فارس (مشرک) کی جنگ میں مسلمانوں کو پہلے روم (عیسائیوں) کی شکست پر رنجیدہ ہونے کی بناء پر اس طرح تسلی دی گئی ہے کہ چند ہی سالوں میں رومی (عیسائی) فارس (مجوسیوں) پر غالب آئیں گے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ٤ ... سورة الروم

"اس دن مومن خوش ہوں گے۔" حالانکہ عیسائی اور مجوسی دونوں کافر ہیں لیکن مشرکین کے بالمقابل اہل کتاب اسلام کے زیادہ قریب ہیں اس لیے مسلمانوں کو نہ صرف اہل کتاب کی فتح کی بشارت دی گئی بلکہ ان کا خوش ہونا بھی پسندیدہ قرار پایا۔

نوٹ:

زیر نظر سوال و جواب کے بارے میں یہ گزارش مناسب ہے کہ ایسے معاملات کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کے مصالح اور مفاسد سے ہے اور ایسے معاملات میں جو رویے اختیار کیے جاتے ہیں وہ بھی تدبیر کی قسم سے ہیں ان کے بارے میں کفر و شرک کا فتویٰ تشدد اور انتہا پسندی ہے البتہ مکرر یہ بات واضح رہے کہ وضعی نظام ہائے سیاست کا اسلام سے پیوند لگانا قطعاً درست رویہ نہیں مسلمانوں کے اندر غور و فکری طور پر ان نظاموں کی خرابیوں کو واضح کرنا اور اسلامی نظام کی خوبیاں اجاگر کرنا بڑا ضروری ہے بالخصوص تقابلی مطالعہ کے وقت وہ فرق ضرور ملحوظ رکھنے چاہئیں جن کی بناء پر لادین نظاموں کی بعض جزئیات کے لیے اسلامی نظام کی بعض جزئیات سے تشدد جزئیات سے تشابہ کا مغالطہ دینے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

(6) آج میں یہ چیلنج درپیش ہے کہ اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق دور حاضر کے لیے اسلام کا قابل عمل سیاسی نظام دنیا کے سامنے پیش کریں اور جب تک کوئی ایسی صورت حال نہیں ہوتی ایسی بحثوں کی اشاعت مفید ہے جو کتاب و سنت کی روشنی میں ہمارے تدبیری معاملات میں راہنمائی کر سکیں شیخ عبدالرحمن عبدالخالق کی محولہ بالا کتاب جو اگرچہ زیر بحث موضوع پر جامع تبصرہ کی حامل نہیں بلکہ مروجہ لادینی نظاموں میں اشتراک کی پرزور حمایت کا ایک رخ ہی ہے تاہم ایسی مباحث کا بہ دلائل مطالعہ غور و فکر کی راہیں ضرور کھولتا ہے اس طرح معاشرہ میں باشعور طرز عمل اختیار کیا جا سکتا ہے ہماری رائے میں یہ کتاب جس طرح عربی میں شائع ہوئی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہونا چاہیے اس وضاحت کے ساتھ کہ کویت کا جمہوری دور بھی جمہوریت کے تجربہ سے اتنا آشنا نہیں جتنا پاکستان یا وہ ملک اس تجربہ کی خوبیوں اور خرابیوں سے متعارف ہو چکے ہیں جو ایک عرصہ سامراج کے زیر نگیں رہے اور اب بھی انہیں سامراجی نظاموں کی دلدل سے نکل کر اسلام کی طرف پیش رفت کرنا ہے۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ ٧ ... سورة محمد

هذا ما عندي واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ

ج1ص633

محدث فتویٰ